ادارۂ معارف اسلامی منصورہ ○ لاہور

کی

نئی مطبوعات

فقہی انسائیکلو پیڈیا
موسوعہ فقہ حضرت ابوبکرؓ
حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی فقہی آراء کا مجموعہ
○ تصنیف: ڈاکٹر رواس قلعجی
○ ترجمہ: مولانا عبدالقیوم
صفحات ۲۷۱
قیمت ۱۵۰ روپے

فقہی انسائیکلو پیڈیا
موسوعہ فقہ حضرت عثمانؓ
حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فقہی آراء کا مجموعہ
○ مصنف: ڈاکٹر رواس قلعجی
○ ترجمہ: ایف الدین ترابی
صفحات ۴۲۰
قیمت روپے

فقہی انسائیکلو پیڈیا
موسوعہ فقہ حضرت عمرؓ
حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فقہی آراء کا مجموعہ
○ تصنیف: ڈاکٹر رواس قلعجی
○ ترجمہ: مولانا ساجد الرحمٰن صدیقی
صفحات ۷۰۸
قیمت ۲۵۰ روپے

فقہی انسائیکلو پیڈیا
موسوعہ فقہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ
حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فقہی آراء کا مجموعہ
○ مصنف: ڈاکٹر رواس قلعجی
○ ترجمہ: مولانا عبدالقیوم
صفحات ۶۰۳
قیمت ۲۰۰ روپے

فقہی انسائیکلو پیڈیا
موسوعہ فقہ حضرت علیؓ
حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی فقہی آراء کا مجموعہ
○ مصنف: ڈاکٹر رواس قلعجی
○ ترجمہ: مولانا عبدالقیوم
صفحات ۸۱۳
قیمت ۳۰۰ روپے

بوسنیا
مولانا خلیل احمد حامدی
تاریخ، جغرافیہ، داستان جہاد
○ صفحات: ۲۵۶ ○ قیمت: ۷۵/- روپے

صدائے رستاخیز
الجمعیۃ دہلی میں سید مودودیؒ کے ۱۹۲۵ء کے اداریے اور مضامین
جمع و ترتیب مولانا خلیل احمد حامدی
○ صفحات: ۵۲۲ ○ قیمت: ۱۵۰/- روپے

عورت معرض کشمکش میں
مصنف مولانا نعیم صدیقی
صفحات: ۳۰۸ قیمت: ۱۱۴/- روپے

حرمت سود
وفاقی شرعی عدالت کے سوالنامے کا مفصل جواب
مولانا گوہر رحمٰن
○ صفحات: ۱۱۶ ○ قیمت: ۲۵/- روپے

بانگ سحر
جمع و ترتیب مولانا خلیل احمد حامدی
الجمعیۃ دہلی میں مولانا مودودیؒ کے ۱۹۲۶ء کے اداریے اور مضامین
سفید کاغذ کمپیوٹر کمپوزنگ جاذب نظر ٹائٹل
○ صفحات: ۳۲۲ ○ قیمت: ۱۳۰/- روپے

مسلم دنیا (شمارہ ۲-۳)
۱۹۹۱-۹۲ء
ہر لائبریری کی ضرورت
دنیائے اسلام کے تازہ ترین حالات و واقعات کا مرقع
صفحات: ۵۳۰ قیمت: ۱۵۰/۰۰ روپے

ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک
مصنف: مولانا مسعود عالم ندوی
صفحات: ۲۰۶ قیمت: ۵۱/- روپے

آفتاب تازہ
۱۹۲۷ء
الجمعیۃ دہلی میں سید مودودیؒ کی زندہ جاوید تحریریں
○ صفحات: ۲۵۶ ○ قیمت: ۱۳۵/- روپے

یادگار لمحات
تصنیف: عاصم نعمانی
مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی رفاقت میں گزرے ہوئے یادگار لمحات اور یادداشتیں
صفحات: ۲۰۸ قیمت: ۹۳/۰۰ روپے

ہندوستانی مفسرین اور اُن کی تفسیریں
مصنف: ڈاکٹر سالم قدوائی
صفحات: ۲۰۸ قیمت: ۸۲/۰۰ روپے

جلوۂ نور
سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ
جمع و ترتیب مولانا خلیل احمد حامدی
صفحات: ۲۶۰ قیمت: ۹۰/۰۰ روپے

اقبال کا شعلۂ نوا
تصنیف: نعیم صدیقی
صفحات: ۲۲۳ قیمت: ۹۰/۰۰ روپے

ملنے کا پتہ: المنار بک سنٹر ○ منصورہ ○ لاہور ○ پاکستان فون: ۴۲۰۰۳۳ ، ۴۴۷۹۱۳

شیخ محبوب علی مرحوم

حافظ محمد ادریس

شیخ محبوب علی جماعت اسلامی کی مرکزی مجلس شوریٰ کے رکن، اور ضلع شرقی کراچی کے امیر تھے۔ ۶۴-۱۹۶۲ میں وہ اسلامی جمعیت طلبہ پاکستان کے ناظم اعلیٰ بھی رہے۔ وہ ۱۹۹۴ کے ماہ اپریل میں ہم سے رخصت ہو کر خالق حقیقی سے جا ملے۔ زیرنظر مضمون شیخ صاحب مرحوم کے ساتھی، حافظ محمد ادریس، امیر جماعت اسلامی صوبہ پنجاب نے خاص "ترجمان القرآن" کے لیے لکھا ہے۔

۹ اپریل ۱۹۹۴ کو شیخ محبوب علی اللہ کو پیارے ہو گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ شیخ محبوب علی بڑی خوبیوں کے مالک تھے۔ انھوں نے پوری زندگی اللہ کے دین کے لیے وقف کر رکھی تھی۔ ان کے ساتھ میرا تحریکی تعلق کم و بیش تیس سالوں پر محیط ہے۔ ان کا نام پہلی مرتبہ ستمبر ۱۹۶۳ میں سنا تھا۔ میں اپنے گاؤں سے نیا نیا لاہور آیا تھا اور اسلامیہ کالج ریلوے روڈ میں سال اول کا طالب علم تھا۔ اسلامی جمعیت طلبہ سے کسی حد تک ہائی سکول میں متعارف ہو چکا تھا۔ یہاں آکر جمعیت کے بعض رفقا سے ملاقات ہوئی تو پتا چلا کہ جمعیت کا دفتر پھول بلڈنگ، گوالمنڈی میں واقع ہے۔ پھر یہ بھی معلوم ہوا کہ نولکھن مارکیٹ انارکلی کی ایک مسجد میں اتوار کے دن جمعیت کا اجتماع ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک اتوار کو میں نولکھن مارکیٹ پہنچا۔

اس اجتماع میں ناظم اعلیٰ کے دورۂ لاہور کا بھی تذکرہ ہوا۔ بتایا گیا کہ ناظم اعلیٰ، شیخ محبوب علی، شمال مغربی پاکستان کے دورہ پر تشریف لا رہے ہیں۔ ناظم اعلیٰ کے دورے کا پروگرام سن کر اشتیاق پیدا ہوا کہ ان کی آمد پر ان سے ملاقات کی جائے۔ حسب پروگرام ناظم اعلیٰ تشریف لائے اور ان سے ملاقات ہوئی۔ انھوں نے موٹے شیشوں کا چشمہ لگا رکھا تھا اور پان کھا رہے تھے۔ پہلی ملاقات میں میں ان سے کچھ زیادہ متاثر نہیں ہوا تھا۔ مگر بعد میں وقت گزرنے کے ساتھ جوں جوں ان سے قریبی رابطہ اور گہرا تعلق قائم ہوتا گیا ان کی شخصیت کی عظمت میرے

دل و دماغ پر نقش ہوتی چلی گئی۔

شیخ محبوب علی گوالیار (بھارت) میں ۱۹ جون ۱۹۴۳ کو پیدا ہوئے۔ ۱۹۴۹ میں ہجرت کر کے پاکستان آگئے۔ اس وقت ان کی تعلیم نِمل تھی۔ ۱۹۵۴ میں میٹرک' اور ۱۹۵۶ میں سندھ مسلم آرٹس کالج سے ایف اے کا امتحان پاس کیا۔ شیخ صاحب نے کراچی یونیورسٹی میں بی اے آنرز میں داخلہ لیا' مگر تعلیم جاری نہ رکھ سکے۔ ۱۹۶۶ میں پرائیویٹ طالب علم کی حیثیت سے بی اے کا امتحان پاس کیا۔ تعلیم مکمل کرنے کے بعد شیخ صاحب پی ایس او میں ملازم ہوگئے جہاں اپنی وفات تک اکاؤنٹنٹ آفیسر کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔ وہ اگر چاہتے تو ان صلاحیتوں کے مالک تھے کہ معروف دنیاوی لحاظ سے نہایت اعلیٰ مقام حاصل کرسکتے تھے۔ لیکن انھوں نے تحریک کو اپنا کیریئر بنایا۔ تحریک کے تقاضوں کے تحت انھوں نے اپنی دنیا قربان کی اور دوستوں تک سے بہت کچھ سنتے رہے۔ وہ کبھی کُل وقتی نہ رہے لیکن ہمیشہ کُل وقت سے زیادہ ہی دیتے محسوس ہوتے۔

بچپن میں شیخ صاحب کے گھر کا ماحول روایتی انداز میں کچھ زیادہ مذہبی نہیں تھا۔ خاندان کے اکثر لوگ جدید تعلیم یافتہ تھے اور معاشی لحاظ سے بھی کھاتے پیتے گھرانوں میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ شیخ صاحب کے بقول گھر میں مغربی موسیقی کی دھنیں سنائی دیتی تھیں اور مختلف آلات موسیقی بھی پائے جاتے تھے۔ اسلامی جمعیت طلبہ کے کارکنوں نے شیخ صاحب پر ڈورے ڈالنا چاہے تو انھیں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ شیخ صاحب جس ماحول میں رہتے تھے اس میں مولانا مودودیؒ کو پاکستان کا مخالف اور غدارِ ملک و قوم بنا کر پیش کیا جاتا تھا۔ اسلامی جمعیت طلبہ' جماعتِ اسلامی کی ذیلی تنظیم سمجھی جاتی تھی۔ اس لیے شیخ صاحب دعوت سن کر پہلے تو بدکے اور پھر بپھر گئے۔ جمعیت والوں سے کہا "تم مودودی کے مرید ہو اور مودودی غدار ہے۔"

لگن اور خلوص سے کام کرنے والے کارکنان پتھر کو بھی پانی بنا دیتے ہیں' مسلسل اور سنجیدہ کوشش سے لوہا بھی موم ہو جاتا ہے۔ شیخ محبوب علی صاحب کے ساتھ بھی یہی کچھ ہوا۔ جس رفیق نے شیخ صاحب کو ہدف بنا رکھا تھا' (یہ عبداللہ جعفر صدیقی تھے)' وہ حکمت کے ساتھ انھیں دعوت پہنچاتے رہے' تاآنکہ شیخ صاحب اجتماعات میں بھی شریک ہونے لگے اور لٹریچر کا مطالعہ بھی شروع کردیا۔ شیخ صاحب نے سب سے پہلے مولانا مودودی صاحب کی کتاب "تنقیحات" پڑھی جس نے ان کا ذہن بدل ڈالا۔ شیخ صاحب کراچی میں پیر الٰہی بخش کالونی میں رہتے تھے۔ اس وقت کے ناظمِ اعلیٰ خرّم مُراد بھی وہیں رہتے تھے۔ شیخ صاحب کے بقول "خرم مراد صاحب نے ان کی ذہنی تربیت میں بہت اہم کردار ادا کیا۔" سکول کی طالب علمی کے دوران

ہی شیخ صاحب کو جمیعت کا رکن بنایا گیا' اور پھر پورے کراچی کے حلقہ مدارس کی ذمہ داری ان پر ڈال دی گئی۔ اس زمانے میں ڈاکٹر محمد عمر چھاپرا کراچی جمیعت کے ناظم تھے جبکہ ناظم اعلیٰ پروفیسر خورشید احمد صاحب تھے۔ شیخ صاحب ۱۹۵۷ میں کراچی جمیعت کے ناظم منتخب ہوئے۔ مارشل لا کی پابندی کے بعد' جون ۱۹۶۲ میں جمیعت بحال ہوئی' تو دسمبر میں پہلے انتخاب میں انھیں ناظمِ اعلیٰ منتخب کرلیا گیا۔ اگلے سال اکتوبر ۱۹۶۳ میں' جمیعت کے بارہویں سالانہ اجتماع منعقدہ کراچی میں شیخ محبوب علی کو دوسری مرتبہ ارکان نے نظامتِ اعلیٰ کی ذمہ داری سونپ دی۔ ۱۹۶۶ کے آغاز میں وہ جماعت کے رکن بن گئے۔ انتقال کے وقت وہ ضلع شرقی کے امیر تھے۔ مبالغہ نہ ہوگا اگر یہ کہا جائے کہ کارکن ان پر جان چھڑکتے تھے' لیکن یہ بھی سچ ہے کہ ان کی نظروں میں کارکنوں کا مقام نہایت بلند تھا۔ حقیقی معنوں میں قائد تھے۔ اللہ نے انھیں اور زندگی دی ہوتی تو تحریک کو ان سے بہت کچھ ملتا۔

شیخ محبوب علی صاحب کے دونوں چھوٹے بھائی محمود علی اور مقصود علی جمیعت کے رکن رہے۔ اوّل الذکر تو کراچی کے ناظم اور مرکزی شوریٰ کے رکن بھی رہے' جبکہ مؤخر الذکر کراچی کی مقامی شوریٰ کے رکن رہے۔ ان کے تمام اہلِ خانہ نہ صرف تحریک سے وابستہ ہیں بلکہ اہم ذمہ داریوں پر بھی فائز ہیں۔ مرحوم کی چھ بیٹیاں اور تین بیٹے ہیں۔ ایک بیٹی اسلامی جمیعت طالبات کراچی شہر کی ناظمہ اور مرکزی مجلس شوریٰ کی رکن ہے' جبکہ دوسری جامعہ کراچی کی ناظمہ ہے۔ مرحوم کی بیوہ حلقہ خواتین جماعت اسلامی کراچی ضلع شرقی کے ایک مقامی حلقے کی ناظمہ ہیں۔ ان کا بڑا بیٹا ان کی وفات کے وقت میٹرک پاس کرچکا تھا اور جمیعت کا رفیق تھا' کچھ عرصے بعد اس سے ملاقات ہوئی تو وہ امیدوار رکنیت تھا۔ جب تعارف ہوا تو مجھے اپنے محترم بھائی شیخ محبوب علی بہت شدت سے یاد آئے۔ میں نے اپنے عزیز بھتیجے کو شفقت اور پیار سے اپنے ساتھ چمٹا لیا اور دل سے اس کے لیے دعائیں نکلیں۔ اللہ تعالیٰ اسے اپنے باپ کی طرح اپنے دین کا سچا سپاہی بنائے۔ اس کے باپ کے ہم پر بڑے احسانات ہیں کہ انھوں نے ہماری تربیت میں قابلِ قدر خدمات سرانجام دیں۔

اپنے زمانہ طالب علمی میں ایک کارکن کی حیثیت سے میں نے شیخ محبوب علی صاحب کو بہت مشفق' مربی' ہمدرد دوست اور خوش اخلاق ساتھی پایا۔ وہ بہت تیز گفتگو کیا کرتے تھے' مگر جس موضوع پر انھیں خطاب کرنا ہوتا اس کا حق ادا کردیتے تھے۔ جب کبھی لاہور آتے ہم سے بہت سینئر ہونے کے باوجود یوں گھل مل جایا کرتے جیسے بچپن کے ہم جولی ہوں۔ شستہ مزاح اور

مہذب انداز میں فقرے چست کرنا' پان کی طرح ان کی شخصیت کا لازمی حصہ تھا۔ جمعیت کے دفتر میں تشریف لاتے تو ہمارے ساتھ بالکل بے تکلفی کا مظاہرہ کرتے۔ انار کلی بازار میں پیدل چلنا' ہوٹل میں اکٹھے کھانا کھانا' راستے میں کسی کھوکھے سے ان کا پان لینا اور ہم میں سے اکثر ساتھیوں کا محض الائچی اور سونف سے شوق پورا کرنا' طویل عرصہ گزر جانے کے باوجود آج بھی ہر چیز ذہن میں یوں محفوظ ہے جیسے کل کی بات ہو۔

جب میں لاہور جمعیت کا ناظم بنا اور مرکزی شوریٰ میں بھی منتخب ہوگیا تو پہلی مرتبہ کراچی جانے کا اتفاق ہوا۔ شیخ محبوب علی جماعت اسلامی کے دفتر واقع آرام باغ میں اتنی اپنائیت اور محبت سے ملے کہ اہل کراچی کے بارے میں باہر سے آنے والوں کو عموماً جو شکوہ ہوتا تھا وہ غلط ثابت ہوا۔ شیخ صاحب تنظیمی معاملات میں بھی رہنمائی دیتے رہتے تھے مگر نشرواشاعت ان کا خاص میدانِ عمل اور موضوعِ سخن تھا۔ جماعت میں آنے کے بعد بھی میں نے دیکھا کہ شیخ صاحب مرحوم نشرواشاعت کی کمیٹیوں میں مفید مشورے اور تجاویز پیش کیا کرتے تھے۔

میں نے شیخ محبوب علی مرحوم کو جماعت کی مرکزی مجلسِ شوریٰ میں بہت قریب سے دیکھا' وہ ہر مقرر کی گفتگو بڑی توجہ اور غور سے سنا کرتے تھے۔ عموماً وہ نوٹس بھی لیا کرتے تھے۔ موضوع زیرِبحث پر عموماً دھیمی آواز مگر اپنے معمول کے مطابق تیز گفتاری سے اپنے خیالات کا اظہار فرماتے۔ بعض مواقع پر موضوع کی مناسبت اور شوریٰ کے ماحول کے مطابق جذباتی تقریر بھی کیا کرتے تھے۔ ایسے مواقع پر یوں معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی شُعلہ نوا خطیب کسی جلسہ عام سے خطاب کررہا ہو مگر ایسے مواقع کبھی شاذونادر ہی دیکھنے میں آتے تھے۔

بیرونِ ملک سے وطن واپس آنے کے بعد مجھے مرکز میں نائب قیم کی ذمہ داری سونپی گئی تو کراچی کے ہر دَورے کے موقع پر شیخ صاحب خصوصی طور پر ملاقات کے لیے وقت نکالتے اور نہایت مشفقانہ اُخوّت کا مظاہرہ فرماتے۔ جب شیخ صاحب ضلع شرقی کے امیر منتخب ہوئے تو انھوں نے پچیس دسمبر کو اپنے ضلع کی عمومی تربیت گاہ منعقد کی۔ اس تربیت گاہ کے لیے کافی عرصہ پہلے انھوں نے مجھے پابند کیا۔ یہ پروگرام اب ہر سال باقاعدگی سے منعقد ہوتا ہے' اور شرقی کے علاوہ دیگر اضلاع بھی اس موقع پر اپنی اپنی تربیت گاہوں کا اہتمام کرتے ہیں۔ دسمبر ۱۹۹۲ میں جب میں ان پروگراموں کے لیے کراچی پہنچا تو مجھے اپنے مرحوم بھائی شیخ محبوب علی بڑی شدت سے یاد آئے۔ میں نے سوچا کہ اس تربیتی پروگرام کی طرح نہ جانے کتنی باتوں میں شیخ محبوب علی صاحب کو سبقت کا اعزاز حاصل ہے۔

میں نے حسن البنا شہید کے احوال جب بھی پڑھے ہیں ان سے متاثر ہوا ہوں۔ امام شہید بہت بڑے مصلح اور مربّی تھے۔ ان کی ایک ادا مجھے بہت ہی اچھی لگتی ہے۔ ان کے ساتھیوں نے کئی مقامات پر تذکرہ کیا ہے کہ امام بہت اچھے مقرر اور شعلہ نوا خطیب تھے۔ جس موضوع پر گفتگو کرنا ہوتی اس کی خوب تیاری بھی کرتے تھے اور ان کے خطابات سے حاضرین ہمیشہ متاثر ہو کر جایا کرتے تھے۔ اس کے باوجود حسن البنا شہید کی عادت تھی کہ پروگرام سے فارغ ہو کر اپنے معتمد ساتھیوں سے اپنے خطاب پر تنقیدی تبصرہ کرنے کی فرمائش کرتے۔ سچی بات یہ ہے کہ اس کلیہ پر عمل سے بڑا فائدہ ہوتا ہے۔

میں نے اپنے جماعتی ساتھیوں میں سب سے زیادہ شیخ محبوب علی مرحوم میں یہ خوبی پائی ہے۔ وہ اپنے ضلع کے تربیتی پروگراموں میں موضوعات طے کرتے وقت مربّی حضرات کو ضروری نکات بھی لکھ دیا کرتے تھے اور پروگراموں کے بعد ان پر متعلقہ مربّین سے تبادلۂ خیالات بھی کیا کرتے تھے۔ اس تبادلۂ خیال کو میں نے از حد مفید پایا ہے۔ شیخ محبوب علی مرحوم خود جب کبھی کوئی پروگرام پیش کرتے تو باقاعدہ اس کی تیاری کرتے، نوٹس بناتے اور تقریر کے بعد انھیں کسی نکتے کے بارے میں متوجہ کیا جاتا تو بہت ممنون ہوتے۔ وہ اپنی نوعیت کے منفرد مربّی تھے۔ اللہ تعالیٰ انھیں غریقِ رحمت کرے۔ ان کے تربیت یافتہ نوجوان ہر جگہ مل جاتے ہیں۔

شیخ محبوب علی بظاہر کم گو اور غیر متعلق سے انسان نظر آتے تھے مگر فی الحقیقت وہ بہت پیارے ساتھی، محبت کرنے والے دوست اور خوشی و غم میں شریک رہنے والے بھائی تھے۔ چند سال قبل میرے بیٹے داؤد ادریس کو اچانک اعصابی اور ذہنی تکلیف شروع ہوگئی جو کافی عرصے تک خاصی پریشانی کا باعث رہی۔ اس عرصے میں مَیں نے دیکھا کہ تمام تحریکی احباب میرے اس تفکر و حزن میں برابر شریک رہے۔ اس عرصے میں جناب شیخ محبوب علی مرحوم نے دوستی کا حق ادا کیا۔ ایک مرتبہ انھوں نے بہت اصرار کیا کہ میں داؤد میاں کو ساتھ لے کر کراچی آؤں اور ڈاکٹر مبین اختر صاحب سے مشورہ اور علاج کا سلسلہ شروع کیا جائے۔ شیخ صاحب کو میں نے بتایا کہ علاج ہو رہا ہے اور اللہ کے فضل سے کارگر ہے۔ شیخ صاحب نے زور دے کر کہا کہ وہ پی آئی اے کا میرا اور داؤد میاں کا ٹکٹ بھجوا دیں گے، مگر میں نے بڑی مشکل سے ان کو قائل کیا کہ اس سفر کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ داؤد میاں کے صحت یاب ہونے پر جملہ احباب میری خوشی میں شریک تھے۔ شیخ محبوب علی ہر ملاقات پر احوال معلوم کرتے اور اس خوشی کا اظہار اور اللہ کا شکر ادا کرتے۔ انسان کی یہ چھوٹی چھوٹی باتیں فی الحقیقت اس کی عظمت کا پتا

دیتی ہیں اور یادگار رہتی ہیں۔

اتفاق کی بات ہے کہ شیخ محبوب علی مرحوم کی وفات کی اطلاع بھی گھر میں فون پر سب سے پہلے داؤد میاں ہی نے سنی۔ پہلے تو ہمیں یقین ہی نہ آیا مگر جب تحقیق ہوئی تو پتا چلا کہ یہ اندوہناک خبر درست تھی۔

اسلامی جمعیت طلبہ کے قائد کے طور پر شیخ محبوب علی مرحوم نے ملک کے طول و عرض میں بے شمار دورے کیے اور بے شمار طلبہ کو جمعیت کے ساتھ وابستہ کرنے میں کامیاب رہے۔ اس عرصے میں حکومتی مشینری کئی بار ان کے آڑے آئی مگر شیخ صاحب کے عزمِ بلند کے سامنے کوئی چیز رکاوٹ نہ بن سکی۔ مشرقی پاکستان میں ایک لاکھ طلبہ عربیہ کے تاریخی جلوس کی قیادت ان کے دور کا ایک یادگار واقعہ ہے جس کے نتیجے میں انھیں قید و بند کی منزلوں سے بھی گزرنا پڑا اور مختلف قسم کی دھمکیوں سے بھی انھیں مرعوب کرنے کی ناکام کوشش کی گئی۔ شیخ صاحب درویش منش انسان تھے' سادگی اور قناعت ان کا طرہ امتیاز تھا۔ وہ اسلاف کی تصویر تھے جو تحریص اور تخویف کے کسی حربے سے زیرِدام نہیں لائے جاسکتے تھے۔

شیخ صاحب بہت جفاکش اور محنتی انسان تھے۔ بعض جمعیتی ساتھیوں نے ان کے بارے میں بیان کیا کہ کسی سالانہ اجتماع کے موقع پر بے پناہ مصروفیات کی وجہ سے ناشتے کا موقع نہ مل سکا۔ علی الصبح کاموں میں مصروف ہوئے تو دوپہر ہوگئی۔ کسی ساتھی نے ناشتہ نہ کرنے کا تذکرہ کیا تو شیخ صاحب نے اپنے مخصوص لہجے میں مسکراتے ہوئے فرمایا "میں نے صبح ہیوی پان کھا لیا تھا' ناشتے کی کوئی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔ بس اب دوپہر کا کھانا کھائیں گے۔"

شیخ محبوب علی مرحوم زمانہ طالب علمی ہی سے انگریزی اور اردو دونوں زبانوں میں اچھا لکھتے تھے' مگر افسوس ہے کہ انھوں نے تصنیف و تالیف کے میدان میں زیادہ دلچسپی نہ لی ورنہ وہ اپنے پیچھے قابلِ قدر اور مفید یادگاریں چھوڑ جاتے۔ جمعیت کا رسالہ "ہمقدم" اللہ کے فضل سے اب میدان صحافت میں اپنا مقام پیدا کرچکا ہے۔ مجلہ ہمقدم کی پُرشکوہ عمارت کی بنیاد میں پہلی اینٹیں شیخ محبوب علی مرحوم ہی نے رکھی تھیں۔ کافی عرصہ تک یہ رسالہ سائیکلو سٹائل کرکے نشر کیا جاتا تھا۔ جمعیت کا انگریزی پرچہ "اسٹوڈنٹس وائس" بھی طلبہ برادری میں ایک ممتاز مقام رکھتا تھا۔ شیخ محبوب علی اس کے ادارتی بورڈ کے صدر بھی رہے۔

شیخ محبوب علی اکثر و بیشتر کام خاموشی سے سرانجام دیا کرتے تھے۔ اپنا یہ معمول انھوں نے آخری دم تک خوب نبھایا' حتیٰ کہ سفرِ آخرت پر بھی وہ ایسی خاموشی سے روانہ ہوئے کہ کسی کو